آل سینٹس

ترے دیوار و در مجھ سے لپٹ کر مل نہیں سکتے
جو بچپن میں کھلے تھے پھول پھر سے کھل نہیں سکتے
مری ویران راتوں پر ابھی تک فکر ہے طاری
شعور و درد انگیزی کا ہے میرا سفر جاری
مسافر زندگی کے ساتھ باقی یاد ہے تیری
جبینِ دل پہ اکثر سرسراتی باد ہے تیری
تجھے دیکھا درونِ خواب ہے باچشمِ تر میں نے
عمارت میں تری اکثر کیا تنہا سفر میں نے
پھرا ہوں بارہا کمروں میں تیرے درد وحسرت سے
کیا دیدار بھولی صورتوں کا چشمِ حیرت سے
کہاں ہیں دوست وہ گذرے جو تیری راہداری سے
میں دیتا ہوں صدا کتنوں کو رنج وسوگواری سے
مدرس کیا ہوئے جنکو ستایا ہم نے پیہم تھا
وہ ریکٹر بعد میں ہم سے جو نالاں اور برہم تھا
کدھر بگھی ، کہاں تانگہ ، کہاں موٹر سواری ہے
کدھر ہے وہ چمن میرا کہاں بادِ بہاری ہے
کدھر آواز ماضی لے گیا ان کوچبانوں کی
جمی تھی جن کے ہونٹوں پر دھڑی رنگین پانوں کی
کہاں وہ مہرباں جو بیچتا تھا برف کی چھتری
کہاں کائستھ ومومن ،اور برہمن اور وہ کھتری

وہ گرجا گھر کے بغلی مدرسے میں لڑکیوں کا غل
بہار آخر ہوئی ، مرجھا گئی وہ شاخِ صدہا گل
کنارِ زینہء گرجا تھا مریم کا بتِ مخزوں
جہاں اشجار کا سایہ تھا اور تھا مہرباں گردوں
وہیں پر بیٹھ کر ہم دوپہر کو خوان کھاتے تھے
وہیں پر ٹاٹ پر نوکر پڑے باتیں بناتے تھے
وہ انائیں کہاں ، مغلانیاں ہیں کس جگہ روپوش
میں کس کے واسطے بیٹھا سرِ رہ ہوں صدا برگوش
بچھڑ کر اپنی اپنی راہ میں گم گشتہ ساتھی ہیں
نہ جانے کس چمن میں کس جگہ دل کشتہ ساتھی ہیں
یہ سن چالیس کے آخر دہے کی بات ہے لوگو
مرے سینے میں گذرے دور کی سوغات ہے لوگو
زمان و وقت برہم تھا بپا تھا شورِ تبدیلی
ولیکن چشمِ طفلِ بے خبر تھی شوخ و البیلی
جو دیکھا چشمِ حیرت نے ، جو سمجھا ذہنِ نادانی
وہی تھی ابتدائے صد شعور و غورِ انسانی
مگر اب ضعفِ دید و چشمِ خاطر سوگواری ہے
خزاں کہنہ ہے طاری ، رخصتِ بادِ بہاری ہے

علیشانؔ زیدی
ستمبر 1996 انگلستان